رسائل و مسائل

تعلیمات قرآن کے متعلق بحث

(۴)

از جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز بی اے

ملکیت زمین اس میں تو شک نہیں کہ صاحب تعلیمات نے جس آیت سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے وہ اساسی قانون کی بظاہر حامل نظر نہیں آتی لیکن اس کے خلاف ملکیت زمین کی تائید میں بھی تو کوئی آیت آپ نے نقل نہیں فرمائی اب اس بارہ میں رسول اللہؐ کا اسوہ حسنہ ہی قول فیصل ہوگا۔ میری محدود نظر نے جہاں تک کام کیا ہے میں تو دیکھتا ہوں کہ احادیث مقدسہ سے بھی صاحب تعلیمات کی اس تاویل کی تائید ہو رہی ہے چنانچہ صحیح بخاری شریف میں یہ روایات ہیں (کتاب المزارعہ باب کراء الارض)۔

(۱) عن رافع بن خدیج ان النبی صلعم نھی عن کراء الارض۔

حضرت رافع بن خدیج سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کے لگان لینے سے منع فرمایا۔

(۲) عن جابر قال کانوا یزرعونھا بالثلث والربع والنصف فقال النبی صلعم من کانت لہ ارض فلیزرعھا او لیمنحھا۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم زمین کو تہائی چوتھائی اور نصف کی بٹائی پر دیا کرتے تھے۔ سو نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ جس کے پاس کوئی زمین ہو وہ یا تو خود جوتے یا دوسرے کو دیدے۔

(۳) عن ابی ھریرۃ قال النبی صلعم من کانت لہ

حضرت ابی ہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ

ا دمن فلیزرعها اوبمنحها اخاہ؛ جس کے پاس کوئی زمین ہو وہ خود اس کو جوتے یا اسے اپنے بھائی کو دیدے۔

ان کے علاوہ حضرت رافع بن خدیجؓ سے ہی ایک اور روایت ہے جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ ان کے چچا زمین کو پیداوار کی چوتھائی اور چند وسق کھجور، اور جو کے عوض دیدیا کرتے تھے سو نبی اکرمؐ نے انہیں اس سے منع فرمایا اور فرمایا یا تو خود کاشت کے لیے دیدو یا روکے رکھو۔

اس کے ساتھ ہی حضرت ابن عمرؓ کا یہ واقعہ بھی بخاری میں درج ہے کہ وہ نبی اکرمؐ کے زمانہ سے لیکر حضرت معاویہ کے ابتدائی زمانہ تک زمین کو کرایہ پر دیا کرتے تھے۔ اس وقت انھیں رافع بن خدیجؓ کی روایت کردہ حدیث پہنچی۔ انہوں نے رافع بن خدیجؓ سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ واقعی نبی اکرمؐ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے بعد اپنی زمین کرایہ پر دینی موقوف کردیں

ممکن ہے میں ان احادیث مقدسہ کا صحیح مفہوم نہ سمجھ سکا ہوں۔ اس لیے اس کے متعلق بھی وضاحت فرمادیجیے۔ لیکن اگر ان کا یہی مفہوم ہے جو بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ تو ان تصریحات کی روشنی میں صاحب تعلیمات عدم ملکیت اراضی کے نتیجہ پر پہنچ جائیں تو میرا خیال ہے کہ انہیں محض اشتراکیت کے خیال سے مرعوب تصور کر لینا درست نہوگا۔ اشتراکیت کے ثبوت میں تو وہ بخاری شریف کی اس حدیث کو اور بھی قوی دلیل سے پیش کر سکتے ہیں جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ:—

نحن لا نورث ما ترکنا صدقة۔ ہم (انبیاء) سے وراثت نہیں ملتی ہے ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں صدقہ ہے

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام حضرات انبیاء کرامؑ اس حد تک فطرۃً کمیونسٹ تھے۔

تقدیر تقدیر کا مسئلہ جس طرح آپ نے بیان فرمایا ہے بعینہٖ اسی طرح صاحب تعلیمات نے بھی اس کو صفات الٰہی میں لکھا ہے ان کے بیان کے مطابق یہ ایمان مفصل کا جز ہے ایمان مجمل کا نہیں۔ اور آپ بھی ان کے ساتھ متفق ہیں لیکن یہاں مجھے ایک اور امر دریافت کرنا ہے۔ تقدیر کا مسئلہ جیسا کہ آپ نے فرمایا

فی الحقیقت بڑا اہم بالشان ہے، اور قرآن کریم نے اس پر بڑا زور دیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ کو کونسی شکل میں مانا جائے کہ قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق ہو؟ تقدیر کے متعلق جو صورتیں ہمارے حضرات سلف رح نے اختیار کی ہیں، وہ تو ایک دوسرے سے ایسی متضاد ہیں کہ ایک کو ماننے کے لیے دوسرے سے قطعیۃً انکار کرنا پڑتا ہے۔ جبر و قدر کے مسلک اس پر شاہد ہیں۔ اب عام طور پر جس قسم کا عقیدہ ہمارے "ایمان مجمل" کے اجزا میں داخل ہے (یعنی والقدر خیرہٖ و شرّہٖ من اللہ تعالیٰ) اس سے تو ظاہر ہے کہ یہ ایک جماعت کا عقیدہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ جو ایسا عقیدہ نہ رکھے بلکہ اس کے برعکس کسی دوسری جماعت کے عقیدہ کا ہم نوا ہو، اس کے ایمان کے متعلق کیا فیصلہ ہوگا؟

اتباع علماء و صلحاء | اس مسئلے میں مجھے تھوڑی غلط فہمی معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے ساری بحث یہ سمجھ کر لکھی ہے کہ صاحب تعلیمات کے نزدیک علماء کا اتباع ناجائز ہے۔ جہاں تک میں سمجھا ہوں وہ ان کو واجب الاتباع قرار نہیں دیتے، اور وہ بھی اس وقت تک جب تک کہ قرآنی سند ان کے ساتھ نہ ہو یعنی کسی عالم یا امام کا قول ان کے نزدیک دینی حجت نہیں ہے تاوقتیکہ اس کی سند قرآن سے نہ دی جائے۔ بعینہٖ یہی مسلک "مقلدین" کا ہے، اور ان کے ائمہ کا خود دعویٰ ہے کہ جو بات ان کے پاس کتاب و سنت کے خلاف ہو اسے دیوار پر دے مارو۔

اتباع و اطاعت رسولؐ | اس مسئلہ کے متعلق میں نے ایک مبسوط مضمون معارف میں اشاعت کے لیے بھیج رکھا ہے جس میں منکرین حدیث و اطاعت رسولؐ کے کم و بیش تمام اعتراضات کو سامنے رکھ کر قرآن کی روشنی میں ان کا جواب دینے کی کوشش کی ہے مجھے خوشی ہوئی کہ اس باب میں آپ کی تنقید کا یہ حصہ میرے شایع ہونے والے مضمون کا گویا توارد ہے میں نے ذرا پھیلا کر لکھا ہے۔ ناظرین ترجمان میں سے جنھیں اس باب میں دلچسپی ہو اسے ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ لیکن مجھے آپ کی "وما ینطق عن الھوی" کی تفسیر سے کچھ اختلاف ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ:-

جس وقت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب رسالت پر سرفراز کیا اس وقت سے لے کر حیات جسمانی کے آخری سانس تک آپ ہر آن اور ہر حال میں خدا کے رسولؐ تھے۔ آپ کا ہر فعل اور ہر قول رسولؐ خدا کی حیثیت رکھتا تھا۔"

پھر دوسری جگہ آپ نے فرمایا ہے:۔

"آنحضرت جس وقت جس حالت میں جو کچھ کرتے تھے رسول کی حیثیت سے کرتے تھے"

اس سے مقصد واضح ہے کہ حضورؐ کا ہر قول و فعل منجانب اللہ ہوتا تھا، اور بہ حیثیت رسولؐ صادر فرمانے کی بنا پر امت مُسلمہ کے لیئے واجب الاتباع۔

اس کے متعلق تفصیلاً تو میں نے اپنے مضمون مذکورہ صدر میں گزارش کیا ہے۔ اس لیے یہاں صرف دو ایک اشاروں پر اکتفا کروں گا پہلے تو قرآن کرم کو لیجیے۔ آپ کو متعدد امور ایسے ملیں گے جن میں حضورؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تہدید و تادیب ہوی ہے۔ مثلاً آپ نے ایک قسم کا شہد کھانے سے قسم کھالی۔ تو ارشاد ہوا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ۔ (تحریم)۔ اے نبی جس کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے اسے کیوں حرام کرتے ہو۔

ظاہر ہے کہ اگر حضورؐ کا شہد کو اپنے اوپر حرام کر لینا خدا کی جانب سے تھا تو خدا اُس پر معترض کیوں ہوا۔

دوسری جگہ ہے:۔

عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ (توبہ) خدا نے تم سے درگذر کیا، تم نے انہیں کیوں اجازت دیدی تھی

اب اگر حضورؐ کا اجازت دیدینا از روئے وحی تھا، اور یہ فعل خدا کے رسولؐ کی حیثیت سے تھا، تو اس پر وحی بھیجنے والے نے تہدید کس لیے فرمائی۔

اسی طرح عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی۔ (عبس) میں اگر حضورؐ کا پیشانی مبارک پر بل دے آنا بہ حیثیت رسول تھا تو قرآن کریم میں اس پر تنبیہ کیوں آئی۔

ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ حضورؐ کے یہ افعال و اقوال بہ حیثیت رسولؐ نہ تھے بلکہ ذاتی حیثیت سے تھے۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ امور ضلالت و غوایت اور ہوائے نفس کے بنا پر تھے بلکہ یہ کہ امور دنیاوی میں بہ حیثیت بشر خاصۂ بشریت حضور کے ساتھ تھا جس میں ایسے معمولی سہو کوئی معنی نہیں رکھتے۔ اور اسی سے حضور کے خلق عظیم۔ اور قرآن کے منجانب اللہ ہونے کے لیے دشمنان اسلام کے لیے زندہ شہادت ملتی ہے۔ اب اس کی شہادت خود احادیث سے بھی ملتی ہے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں ایک باب اس عنوان سے لکھا ہے جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ جو کچھ آن حضرت سے مروی ہے اور کتب حدیث میں مدون ہے، اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ امور جو تبلیغ رسالت سے علاقہ رکھتے ہیں۔ دوسرے وہ امور جن کو تبلیغ رسالت سے کوئی تعلق نہیں اسی کی نسبت حضور نے فرمایا ہے۔

اِنَّمَا اَنَا بشر اذا امرتکم بشیءٍ من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشیءٍ من رائی فانما انا بشر۔	میں ایک انسان ہوں جب تم سے کوئی مذہبی امر بیان کروں تو اس کو اختیار کرو اور جو باتیں میں اپنی رائے سے کہوں تو میں ایک انسان ہوں۔

اسی بنا پر درخت خرما کے گابھا لگانے کے مشہور واقعہ کے بعد حضورؐ نے فرمایا تھا۔

انی ظننت ظنًّا ولا تواخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم من اللہ بشیءٍ فخذوا بہ فانی لم اکذب علی اللہ۔	میں نے صرف ایسا گمان کیا تھا تخمینی بات کا مجھ سے مواخذہ نہ کرو لیکن میں خدا کی جانب سے کوئی بات بیان کروں تو اس کو اختیار کرو اس لیے کہ میں خدا پر جھوٹ نہیں باندھتا

چنانچہ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس میں سے وہ امور ہیں جنہیں حضور عادۃً کیا کرتے تھے۔ یا اتفاقیہ بلا قصد یا بسبیل تذکرہ بیان فرمایا کرتے تھے۔ اور اس کے بعد وہ مواقع و امور کی مثالیں بھی بیان فرماتے ہیں

انہی میں وہ ان امور کو بھی لیتے ہیں جو حضور کے عہد میں ایک جزئی مصلحت رکھتے تھے لیکن وہ تمام امت کے لیے حتمی اور لازمی نہ تھے۔

اس سے ظاہر ہے کہ جو کچھ آپ دین کے متعلق فرماتے تھے وہی بہ حیثیت رسول ہوتا تھا، خواہ وہ وحی منزل ہو یا اجتہاد رسول۔ اور وہی امت کے لیے واجب الاتباع۔ اور اس کے علاوہ جو باتیں حیثیت بشر فرماتے ان میں یہ قید نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض امور مشاورت میں ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہؓ نے رائے بھی پیش کی۔ اور وہ اختیار بھی کی گئی۔ یہی نہیں حضورؐ کی ایسی رائے کے خلاف عمل بھی تھا چنانچہ قرآن شاہد ہے کہ آپ نے حضرت زیدؓ سے فرمایا کہ اَمسک علیک زوجک لیکن انہوں نے حضرت زینبؓ کو طلاق دیدی۔ کیا آپ خیال کرسکتے ہیں کہ بہ حیثیت رسول آپکا فرمان ہوتا اور حضرت زیدؓ اس کی خلاف ورزی کرتے؟ کتب احادیث میں کئی ایسے واقعات مذکور ہیں جن میں حضورؐ نے کوئی ارشاد فرمایا اور صحابہ نے عرض کیا کہ یہ حکم بہ حیثیت رسول ارشاد فرما رہے ہیں۔ یا بطور اپنی رائے کے۔ چنانچہ جنگ بدر میں جب آپؐ ایک مقام پر کیمپ نصب فرمانا چاہتے تھے تو ایک صحابی نے یہی سوال کیا اور جب معلوم ہوا کہ حضور اپنی رائے سے ایسا فرما رہے ہیں تو انہوں نے بادب گذارش کیا کہ اگر حضورؐ ذرا اور آگے جاکر خیمہ زن ہوں تو زیادہ قرین مصلحت ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

ان تصریحات سے ثابت ہے کہ حضورؐ ہر آن اور ہر حال میں رسول نہیں ہوتے تھے اور آپ کا ہر قول اور ہر فعل بہ حیثیت رسول ہی نہیں ہوتا تھا۔ ہاں جو مرد خدا محبوب کے رنگ میں ہی رنگا جانا چاہے اس کی بات بالکل جدا ہے لیکن اس شکل اور وجوب کی صورت میں بڑا فرق ہے۔

امارت و رسالت اگرچہ شاہ صاحبؒ نے حضورؐ کے فیصلے بھی اسی ذیل میں رکھے ہیں جو رسالت کی حیثیت لیے ہوئے نہ تھی۔ (غالباً ان کی مراد وقتی فیصلوں سے ہوگی)۔ اور صاحب تعلیمات نے بھی امارت کو جو رسالت سے الگ کیا ہے تو غالباً اسی بنا پر لیکن میں تو حضورؐ کے قضایا متعلقہ دین کو عین تبلیغ رسالت میں ہی سمجھتا ہوں۔ اور واجب الاتباع۔ البتہ ایک اور چیز ہے جو امارت و رسالت کی بحث میں میرے سامنے آگئی ہے۔ اور اگرچہ

صاحب تعلیمات نے اس پر بوضوح روشنی نہیں ڈالی لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا شاید منشا یہی ہے جو میرے ذہن میں آیا ہے۔ جہاں تک نبی کریم کا تعلق ہے امور دین میں حضور کی اطاعت کیا بہ حیثیت رسول تھی اور کیا بہ حیثیت امیر قیامت تک کے لیے ہے۔ اس میں نہ اس وقت کسی کو منازعت کا حق حاصل تھا۔ نہ آج ہوسکتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ حضورؐ کے بعد قرآن کریم نے جہاں خدا و رسول کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے۔ تو اسلامی نظام کے بقا کے لیے یہ تو ضروری ہے کہ کوئی ایسی (authority) ہو جو یہ بتا سکے کہ خدا و رسولؐ کا اس بارہ میں یہی فیصلہ ہے۔ یا وقتی امور میں ایسا ہی فیصلہ خود صادر کرسکے۔ ظاہر ہے کہ اگر خلیفہ برحق ہو اور اس کے ساتھ اس کی مجلس شوریٰ (صحیح طریق پر منتخب شدہ) کام کر رہی ہو تو یہی جماعت یعنی "خلیفہ ان کونسل" (Khalif in Council) ہی وہ آخری (authority) ہو گی جو امت مسلمہ کے لئے "خدا و رسولؐ" کو (Represent) کرے گی یعنی اس مجلس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہو گا۔ اور کسی شخص کو اس کے خلاف منازعت کا حق نہ ہو گا۔ ورنہ اگر ہر شخص کو اختیار دیدیا جائے کہ وہ فردًا فردًا رُدُّوهُ إِلَى اللهِ وإلى الرسول کا فریضہ خود ہی سرانجام دے لے تو ظاہر ہے کہ نظام اسلام کسی طرح بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ یہی مجلس Supreme Council) ہو گی جس کے قضایا کی پھر کہیں اپیل نہ ہو گی۔ اور یہی جماعت فقہ مرتب کرنے کا کام کرے گی۔ البتہ جب اس جماعت کا کوئی رکن کتاب و سنت کے خلاف فیصلے صادر کرے تو جمہور کو یہ اختیار ہو گا کہ انہیں برطرف کر کے انکی جگہ دوسرا انتخاب عمل میں لے آئیں۔ کہ یہاں ایسے اولی الامر سے منازعت کا حق حاصل ہو جائے گا۔ جو امت کو خدا اور رسول کی اطاعت کی طرف نہیں لے جاتا۔ لیکن انفرادی طور پر کسی کو حق نہ ہو گا کہ ان کے فیصلوں سے اس بنا پر سرتابی شروع کر دے کہ وہ اس کے اپنے خیال میں کتاب و سنت کے خلاف ہیں یہی وہ (authority) ہو گی جو وقتی امور میں بنا بر مصلحت کسی سابقہ وقتی فیصلے یا انتظام کے خلاف بھی فیصلہ کرسکے گی جیسا کہ کتب سیر و احادیث

سے ظاہر ہے۔ رسول اللہؐ نے نجران کے عیسائیوں اور خیبر کے یہود کو اپنی اپنی جگہ رہنے دیا لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں بنا بر مصلحت وقت ان کو وہاں سے نکال دیا۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات خود خلیفہ وقت (مثلاً حضرت عمرؓ حضرت علیؓ) بھی عدالتوں میں بہ حیثیت مدعا علیہ پیش ہوا کرتے تھے جس سے ظاہر ہے کہ خلیفہ کے خلاف بھی ہر شخص کو منازعت کا حق حاصل ہے، تو واضح رہے کہ یہ لوگ خلیفہ اور اس کی ذاتی حیثیت (Personal Capacity) میں فرق نہیں کرتے۔ عدالتوں میں عمر بن خطابؓ۔ اور علی بن ابی طالبؓ پیش ہوتے تھے۔ اور دعاوی ان کی ذات کے خلاف تھے نہ کہ "خلیفہ ان کونسل" کے خلاف۔ اور یہ اسلامی نظام حکومت کا طغرائے امتیاز ہے کہ اس نے قانون کو رائج کرنے والوں کو بھی قانون کی زد سے مستثنیٰ نہیں کیا۔ پھر یہ بھی واضح رہے کہ "خلیفہ ان کونسل" کی حیثیت بھی واضع قوانین کی نہیں ہوگی بلکہ جہاں تک اصول قانون کا تعلق ہے وہ تو کتاب وسنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منضبط ہو چکے اب ان اصول کو نافذ کرنا۔ یا ان کی روشنی میں جزئی امور میں قواعد مرتب کرنا یہ اس مجلس کا فریضہ ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ صاحب تعلیمات نے جہاں یہ لکھا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں اطاعت خدا ورسول کا حکم آیا ہے اس سے مراد امارت ہے۔ ان کے پیش نظر یہی خاکہ ہے جو اوپر گذارش کیا گیا ہے اور اگر ایسا ہی ہے تو اس میں کسی اعتراض کی گنجائش نہیں کہ اس (authority) کی اطاعت عین اطاعت رسولؐ ہے اور اس کی معصیت معصیت خدا و رسول جیسا کہ حضور نبی اکرمؐ نے خود ارشاد فرمایا کہ۔

من یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الامیر فقد عصانی جس شخص نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

بحث طویل ہوگئی لیکن امید ہے کہ اس میں بہت سی کام کی باتیں نکل آئیں گی۔ اخیر میں اتنا گزارش کرنا ضروری ہے کہ چونکہ میں نے اس میں آپ کو مخاطب کیا ہے اس لیے وہی امور پیش کیے گئے ہیں جن میں مجھے آپ کے جواب کے بعد مزید اطمینان کی ضرورت نظر آئی رہے وہ امور جن سے اتفاق ہے، یا صاحب تعلیمات سے جن امور میں اختلاف ہی نہیں تو [illegible] تحصیل حاصل سمجھا گیا ہے اور یہ گذارشات بھی محض تطمین قلبی ہیں۔

الجواب

زمین کی شخصی ملکیت آپ تسلیم کرتے ہیں کہ مولانا اسلم جیراجپوری نے جس آیت سے ملکیت زمین کا عدم جواز ثابت کرنا چاہا ہے وہ کوئی قانون بنانے والی آیت نہیں ہے۔ لیکن اس کے بعد بھی آپ مجھ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ تم ملکیت زمین کے جواز ہی میں کوئی آیت پیش کرو قبل اس کے کہ میں آپکے اس مطالبہ کو پورا کردوں میں قاعدۂ کلیہ آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ جب کسی رواج عام کے متعلق سکوت اختیار کیا جائے تو اس کو ہمیشہ رضا اور جواز ہی پر محمول کیا جائے گا۔ مثال کے طور پر اگر لوگوں نے زمین کو ایک گزرگاہ بنا رکھا ہو اور وہاں کوئی نوٹس اس فعل کی ممانعت کے لیے نہ لگایا گیا ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہاں راستہ چلنا جائز ہے۔ اس جواز کے لیے کسی اثباتی اجازت کا ہونا ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ وہاں ممانعت کا نہ ہونا خود ہی اجازت کا مفہوم پیدا کر رہا ہے۔ اسی طرح زمین کی ملکیت کا مسئلہ ہے۔ اسلام سے پہلے صدیوں سے دنیا میں یہ دستور جاری تھا قرآن نے اس کی ممانعت نہ کی۔ کوئی صریح حکم اس کے موقوف کرنے کے لیے نہ دیا۔ کوئی دوسرا قانون اس کی جگہ لینے کے لیے نہ بنایا۔ اس کے معنی یہی تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پرانے دستور کو جائز رکھا، اور یہی معنی لیکر مسلمان ابتدائے اسلام سے اب تک زمین کو اسی طرح شخصی ملکیت بناتے رہے ہیں جس طرح اسلام سے قبل وہ شخصی ملکیت بنائی جاتی رہی تھی۔

قرآن کی تصریحات اس قاعدے کے مطابق اگر قرآن میں زمینداری کی کوئی اثباتی اجازت نہ ہوتی تب بھی اس کا سکوت اجازت ہی کا ہم معنی ہوتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس باب میں قرآن بالکل ساکت نہیں ہے بلکہ متعدد مواقع پر اس نے زمینداری کے پرانے دستور کو تسلیم کیا ہے۔ زمین کی شخصی ملکیت دو ہی اغراض کے لیے ہوتی ہے۔ یا تو زراعت اور استثمار کے لیے، یا سکونت کے لیے قرآن کریم ان دونوں اغراض کے لیے زمین

کی شخصی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے۔ سورۂ انعام میں ہے:۔

كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (۶:۱۷)۔ اس کے پھل میں سے کھاؤ جب کہ وہ پھل لائے اور اس کی فصل کٹنے کے دن اس کا (خدا کا) حق ادا کرو۔

یہاں خدا کا حق ادا کرنے سے مراد زکوٰۃ و صدقہ ہے ظاہر ہے کہ زمین کی پیداوار میں سے خدا کا حق خود خداوند تعالیٰ کو نہیں دیا جا سکتا، بلکہ اس کے بندوں ہی کو دیا جا سکتا ہے۔ پھر اس کے بندوں میں سے بھی یہ حق اسی شخص کو دیا جائے گا۔ جو زمین نہیں رکھتا اور وہی شخص اس حق کو ادا کرے گا جو زمین رکھتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پرانے نظام معاشی کو تسلیم کر لیا جس میں بعض لوگ زمین رکھتے تھے، اور بعض نہیں رکھتے تھے البتہ اس نظام میں اس نے اتنی اصلاح کر دی کہ زمین رکھنے والے لوگوں کی پیداوار میں زمین نہ رکھنے والوں کا حق قائم کر دیا۔ اسی کی تائید ایک دوسری آیت سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ (۲:۳۷)۔ اے ایمان والو خرچ کرو اپنی پاک کمائیوں میں سے اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی ہیں

یہاں زمین کی پیداوار میں سے خرچ کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کے متعلق سب کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ و خیرات ہے۔ اس حکم کی بجا آوری وہی شخص کرے گا جو پیداوار کا مالک ہوگا، اور ان ہی لوگوں پر یہ انفاق کیا جائے گا۔ جو صاحب مال و جائداد نہیں ہیں چنانچہ قرآن مجید میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ خیرات کے مستحق کون ہیں۔ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ (۲:۳۷) اور إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ الخ (۹:۸)

دوسری غرض کے متعلق سورہ نور میں ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا اے مسلمانو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل

غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا نہ ہو جب تک ان کے رہنے والوں سے پوچھ نہ لو اور جب داخل
..... فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا ہوتو) ان کو سلام کرو۔۔۔۔۔ اور اگر تم وہاں کسی کو نہ پاؤ
فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ (۲۴/۲۸) تو ان میں نہ جاؤ تا وقتیکہ تم کو اجازت نہ دیجائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سکونت کے لیے بھی زمین کو اپنی ملک میں رکھنا اللہ تعالیٰ نے جائز رکھا ہے اور مالک مکان کا یہ حق تسلیم فرمایا ہے کہ اس کے مکان میں کوئی شخص اس کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو۔

ممکن تھا کہ یہاں بھی اسی قسم کی نکتہ آفرینی نہ کی جاتی جیسی مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ میں کی گئی ہے۔ کہا جا سکتا تھا کہ ان تمام آیات میں صیغۂ جمع استعمال کیا گیا ہے۔ جس سے مراد قوم کی اجتماعی ملکیت ہے نہ کہ فرداً فرداً ہر شخص کی ملکیت۔ مگر غنیمت ہے کہ مولانا اسلم جیراجپوری نے خود اس نکتہ آفرینی کا سد باب کر دیا ہے۔ وہ چوپایوں پر شخصی ملکیت تسلیم کرتے ہیں اور اس آیت سے دلیل لاتے ہیں کہ:۔

(۵:۳۶)
اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ

اس آیت میں بھی صیغۂ جمع استعمال کیا گیا ہے، مگر مولانا نے اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا کہ تمام چوپائے تمام انسانوں کی مجموعی ملکیت ہیں۔ لہٰذا مذکورہ بالا آیات سے بھی یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن مجید زمین کے معاملہ میں اشتراکی نظام قائم کرنا چاہتا ہے۔ اشتراکیت اور اسلام میں اصولی فرق یہ ہے کہ اشتراکیت مالکین (Haves) اور غیر مالکین (Have nots) کی تقسیم کو بالکل مٹا دینا چاہتی ہے، مگر اسلام اس تقسیم کو باقی رکھکر اس کی بے اعتدالیوں کا علاج زکوٰۃ و صدقہ سے کرتا ہے۔

تاویل احادیث | آپ نے جن احادیث کا حوالہ دیا ہے۔ ان میں زمین کی شخصی ملکیت کو ناجائز نہیں کہا گیا ہے۔ بلکہ "اپنے بھائی کو دیدینے یا روک رکھنے" کا ارشاد خود بتا رہا ہے کہ ملکیت تو جائز ہے البتہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ یہ تھا کہ مالک زمین اگر خود کاشت نہ کر سکے تو اپنے دوسرے بھائی کو کاشت کرنے کی اجازت دیدے۔ فقہاء کے ایک قلیل گروہ نے جن میں طاؤس اور ابن حزم ظاہری

شامل ہیں، ان احادیث سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ زمین کو کرایہ پر دینا مطلقاً ناجائز ہے لیکن جمہور فقہار کی تحقیق یہ ہے کہ اس زمانے میں چونکہ مسلمانوں کی مالی حالت خراب تھی، اور بہت سے مہاجرین بے سرو سامانی کے عالم میں پڑے ہوئے تھے، اس لیے آن حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مالدار مسلمانوں کو مواساۃ اور رفق کی تعلیم دی، اور ان سے فرمایا کہ جن زمینوں کو تم خود کاشت نہ کر سکو ان میں اپنے دوسرے بھائیوں کو کاشت کرنے کی اجازت دے دو۔ لہٰذا ان احادیث میں جو نہی وارد ہوئی ہے وہ تحریم کے معنی میں نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول خود بخاری نے نقل کیا ہے۔

اِنَّ النبیّ صلے اللہ علیہ وسلم لم ینہ عنہ ولکن قال ان یَّمْنَحْ احدکم اخاہ خیرٌ لہ مِن ان یاخذَ شیئاً معلوماً۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ آپؐ کا ارشاد یہ تھا کہ اگر تم میں کوئی شخص اپنے بھائی کو ویسے ہی زمین دیدے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اس سے کچھ کرایہ وصول کرے۔

ترمذی نے بھی ابن عباس کا یہ اثر نقل کیا ہے اور اس کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ ولکن اراد ان یرفق بعضُھم ببعض (مگر حضور کی مراد یہ تھی کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی کریں)۔

حضرت ابن عمر کا جو واقعہ آپ نے نقل کیا ہے اس کا آخری حصہ چھوٹ گیا ہے۔ رافع بن خدیج نے جب ان کو نھی عن کراء الارض والی حدیث سنائی تو انہوں نے رافع سے کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو زمینیں کرایہ پر دی جاتی تھیں" (کنت اعلمُ فی عھد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان الارض تکری) لیکن چونکہ حضرت ابن عمر کا تقویٰ بہت بڑا ہوا تھا، اور وہ ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور نے اس باب میں کوئی حکم دیا ہو اور وہ ان کے علم میں نہ ہو اس لیے انہوں نے محض احتیاطاً اپنی زمینیں کرایہ پر دینی بند کر دی تھیں۔

ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں زمیندار اپنی زمین کو کرایے پر دیتے وقت

کسی خاص اور بہتر حصۂ زمین کی پیداوار کو اپنے لیے مخصوص کر لیتا تھا۔ اس طرح کا اشتراط چونکہ مجہول ہوتا تھا اور اس میں غرر پایا جاتا تھا اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرما دیا لیکن سونے چاندی کی مقررہ مقدار پر زمین کاشت پر دینا عہد رسالت میں جائز تھا۔ اس بحث کی تفصیلات فتح الباری جلد پنجم میں ص۵ اسے ۸ تک ملاحظہ فرمائیے۔

انبیاء کرام کی سنت آخر میں جس حدیث سے آپ نے یہ شبہ نکالا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کمیونسٹ تھے، اس کو اگر آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کو کمیونزم سے کچھ بھی علاقہ نہیں۔ انبیاء کرام کی ساری زندگی خدمت دین کے لیے وقف تھی۔ اس خدمت میں ان کا انہماک ان کو کسب معاش سے روکتا تھا۔ زیادہ تر ان کی بسر اوقات مومنین کے ہدایا پر ہوتی تھی، یا ان فتوح پر جو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو عطا کرتا تھا۔ ایسے مال میں اپنی زندگی تک تصرف کرنا ان کے لیے جائز تھا لیکن اس کو ایسی ذاتی ملکیت بنا دینا کہ وہ ان کے بعد ان کی اولاد کو وراثت میں ملے، ان کے نزدیک جائز نہ تھا، اور اپنی صداقت وللہیت کی بنا پر وہ اس کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اسی لیے ان قدسی نفس بزرگوں کا یہ دستور رہا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی پیروی کی، کہ جو کچھ وہ چھوڑ جائیں وہ قوم کے لیے صدقہ ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک بادشاہ اپنی زندگی تک ان اموال میں تصرف کر سکتا ہے جو اس کے قبضہ میں ہوں، لیکن اس کی وفات کے بعد اس مال میں قانون وراثت جاری نہ ہوگا۔ بلکہ وہ سب اموال اس کے جانشین کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔ اس کو کمیونزم کون کہہ سکتا ہے۔

مسئلہ تقدیر عقیدۂ تقدیر کی لفظی صورت متعین کرنے میں اختلاف کی کافی گنجائش ہے لیکن اس کی معنوی صورت خود قرآن نے مقرر کر دی ہے، اور وہ بین الجبر والقدر ہے۔ کلیۃً جبر یا کلیۃً قدر کا جن لوگوں نے حکم لگایا ہے انہوں نے گویا بعض کتاب کو قبول کیا اور بعض کتاب کو اگر لفظاً نہیں تو معنیً رد کر دیا۔ عام طور پر اس عقیدہ کو جن الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے، وہ اپنی جگہ درست ہیں بلا شبہ بری اور

بعلی تقدیر اللہ ہی کی طرف سے ہے لیکن اگر کوئی شخص ان الفاظ کا مفہوم بالکلیہ جبر کی طرف پھیر دے تو وہ مسلک صحیح سے ہٹ جائے گا۔ اسی طرح اگر اس عقیدے کے لیے کچھ دوسرے الفاظ استعمال کیے جائیں اور ان کا مفہوم بالکلیہ قدر کی طرف پھیر دیا جائے تو یہ بھی درست نہ ہوگا۔ صحت عقیدہ کا مدار در اصل الفاظ پر نہیں بلکہ معنی پر ہے آدمی یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرے کہ خداوند تعالیٰ قادر مطلق ہے، زمین و آسمان کی تمام چیزیں اس کے زیر حکم ہیں۔ کوئی شئے اس کے اذن کے بغیر نہ وجود میں آسکتی ہے، نہ حرکت کرسکتی ہے اور نہ فنا ہوسکتی ہے۔ انسان بھی تمام موجودات کی طرح اس کا محکوم ہے، اور اس کی توفیق کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا لیکن اس کے ساتھ خداوند عالم نے انسان کو کچھ اختیار بھی دیا ہے جس کے غلط یا صحیح استعمال کی ذمہ داری یقیناً اس پر ہے، اور اس کا فرض ہے کہ اپنے اختیار تمیزی کو ٹھیک ٹھیک استعمال کرکے اپنی حد دست تک کوشش کرے خواہ نتائج خاطر خواہ ہوں یا نہ ہوں، اس لیے کہ نتائج انسان کی سعی و عمل پر منحصر نہیں ہیں بلکہ مشیت الٰہی کے تابع ہیں۔ یہ معنی جب ذہن میں راسخ ہو جائے تو انسان کو حق ہے کہ اس کو جس طرح چاہے ادا کرے۔ ممکن ہے کہ اس کو الفاظ کا کوئی ایسا جامہ نہ مل سکے جو پوری طرح اس معنی پر راست آجائے لیکن اگر اس کا عقیدہ صحیح اور کامل ہے تو الفاظ کے ناقص اور غیر جامع ہونے سے ایمان میں کوئی خرابی نہیں آتی۔

اب صرف اتباع و اطاعت رسولؐ کا مسئلہ قابل جواب رہ گیا ہے۔ چونکہ یہ تفصیلی بحث چاہتا ہے اور رسالہ میں اتنی گنجائش نہیں کہ چوہدری صاحب کی بحث اور اس کا جواب ایک ساتھ درج کیا جاسکے اس لیے ہم نے ان کی بحث اسی اشاعت میں درج کردی ہے اور اس کا جواب انشاء اللہ المستعان آئندہ اشاعت میں دیں گے۔